ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-13

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

صدف عروج
پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد
ڈاکٹر میمونہ سبحانی
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

مجید امجد کی نظم پر مغرب کے اثرات

Sadaf Arooj
Ph.D Scholar, Urdu, Government College University Faisalabad
Dr. Mamuna Subhani *
Associate Professor, Urdu, Government College University Faisalabad
***Corresponding Author:**

Western Influences on Majeed Amjad's Poetry

Majeed Amjad is one of the most prominent modernist poets of Urdu literature and is often celebrated for his unique style and profound thematic depth. While his work is deeply rooted in the cultural and philosophical traditions of South Asia, it also reflects significant Western influences, particularly from European literary and intellectual movements. This study explores the extent to which Western thought, literature, and poetic techniques shaped Amjad's poetry, focusing on his engagement with modernism, existentialism, and symbolism. His exposure to Western literature, mainly through translations of European poets like T.S. Eliot, Maria Rilke, and Charles, played a pivotal role in shaping his poetic vision. His work often mirrors the fragmented, introspective, and existential themes characteristic of Western modernism while also incorporating symbolist techniques to evoke complex emotional and philosophical states. Additionally, Amjad's use of free verse and his departure from traditional Urdu poetic forms can be traced to his engagement with Western literary innovations.

Key Words: *Majeed Amjad, Poetry, Literature, Westren Culture, Style.*

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-13

وجودی فکر مجید امجد کی شاعری کا ایسا موضوع قرار پاتی ہے، جو ان کی ابتدائی دور کی شاعری سے لے کر آخری دور کی شاعری تک ہر جگہ دکھائی دیتا ہے۔ ان کی آخری دور کی نظموں میں وجودی فکر کے عناصر کے بارے میں ڈاکٹر سید عامر سہیل لکھتے ہیں:

"مجید امجد کی یہاں آخری دور کی نظموں مین داخلی کیفیات کا جو عکس وجودی رویوں کو نمایاں کرتا ہے ان میں مایوسی کا حوالہ اہم ہے۔ وجودی مفکرین کے نزدیک ایک فرد کی مایوسی یہی ہے کہ وہ کسی توقع، لالچ یا انعام کے بغیر عمل پر یقین رکھتا ہے۔ یعنی اس کا عمل کسی بھی طے شدہ نتیجے یا منزل سے ماورا ہوتا ہ۔ مجید امجد کے یہاں زندگی میں سرانجام دیے گئے اعمال مثلاً نیکیاں، اچھائیاں، خلوص و محبت وغیرہ بے غرضی اور لالچ سے پاک ہوتے ہیں۔ ان اعمال کا حاصل وہ گہری خود آگاہی ہے جو انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ دوسری طرف جھوٹ کے تیشے ان اعمال کو بے چہرہ کرنے کے درپے ہیں۔ مجید امجد کے ہاں سچائی او رخلوص کا یہ مٹتا ہوا رویہ شدید مایوسی بے چینی کو جنم دیتا ہے۔"(۱)

رومانویت سے سے حقیقت کی طرف سفر مجید امجد نے بڑی مہارت سے طے کیا ہے۔ ان کی شاعری کا مطالعہ بتاتا ہے ان کے ہاں مغرب کے زیر اثر آنے والی رومانویت سے جب وہ حقیقت نگاری کی طرف پلٹتے ہیں تو اس کی بڑی وجہ بھی مغرب کے اثرات ہیں، لیکن یہ اثرات خارجی سطح پر سماج پر اس طرح مرتب ہوئے کہ مجید امجد جیسے حساس ذہن کے شاعر کے تخیل کو بھی متاثر کرتے چلے گئے۔ مغرب کا وہ استحصالی نظام جو جبر پر قائم تھا اور جس کی وجہ سے سماج کے نچلے اور متوسط طبقے کی زندگی اجیرن ہوتی چلی جارہی تھی (طبقہ اشرافیہ استعماریت کے عہد میں بھی مراعات کے حصول کے ذریعے خوشحال ہی تھا)، اس استحصالی نظام کے خلاف نفرت اور اس سے بغاوت مجید امجد کی شاعری اہم موضوعات قرار پاتے ہیں۔ وہ مغرب کے استحصالی نظام کو انسانیت کے لیے ایک ایسا عفریت تصور کرتے تھے، جو انسانی حقوق کی پامالی کے ساتھ ساتھ ایسی غلام سوچ پیدا کرتا ہے جو نچلے طبقے میں نسل در نسل چلتی چلی جاتی ہے، یوں یہ سوچ مغربی افکار کے زیر اثر آگے چل کر بھی غلام ذہنوں کی پیدائش کا ہی سبب بنتی ہے۔

مغرب کے استحصالی نظام کے خلاف مجید امجد کی سوچ کا زاویہ بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں کے آخر میں اس وقت زیادہ شدت سے سامنے آتا ہے جب برصغیر پر انگریزی سامراج سے آزادی کی

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-13

ماخذ تحقیقی مجلہ

تحریکیں زوروں پر تھیں ۔ اس وقت کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو مغربی نظام کا ستایا ہوا، مشرق کا انسان اپنی بقا کی جنگ لڑنے میں مصروف تھا۔ ایک طرف مغرب کا پروردہ استحصالی نظام تھا جس نے برصغیر سمیت دنیا کے مختلف ممالک پر قبضہ کرکے وہاں کے وسائل کو اپنے قابو میں کیا ہوا تھا اور نتیجے میں وہاں کا عام آدمی غلامی اور زوال کی گہرائیوں میں گرتا چلا جارہا تو دوسری اسی عام آدمی کی سوچ بھی پروان چڑھ رہی تھی ۔ یہ سوچ اور شعور مغرب سے آزادی اور اپنا مشرقی تشخص بحال کرنے کی سوچ تھی۔ یہی سوچ اس وقت انقلابی سوچ اور شعور کے زمرے میں آتی تھی ۔ مجید امجد نے مغرب کے استحصالی نظام کے خلاف جو نظمیں تحریر کیں وہ اسی دور کی تخلیقات ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں لکھی گئی ان کی نظم " قیصریت " اس کی عمدہ مثال ہے جس میں وہ مغرب کے اسی نظام کے خلاف ایک توانا آواز بن کر ابھرتے ہیں ۔اس نظم میں انہوں نے برصغیر پر حکمرانی کرنے والے برطانوی سامراج کو استحصالی عناصر قرار دیتے ہوئے احتجاج کی صدا بلند کی ۔ اسی عہد میں لکھی گئی ان کی ایک اور نظم " انقلاب" بھی اسی موضوع کے حوالے سے دیکھی جاسکتی ہے، جس میں وہ انقلابی سوچ لے کر مغرب کے نظامِ حکمرانی کے خلاف بغاوت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہی وہ دور تھا جب وہ رومانویت سے حقیقت کی طرف سفر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :

ڈال رکھا تھا تخیّل نے جو رنگیں پردا
رخِ ہستی سے ہے اٹھنے لگا رفتہ رفتہ
اب حقیقت مری آنکھوں کے قریب آتی ہے
نظر اب دنیا کی تصویر مہیب آتی ہے ۔ (۲)

ان اشعار میں فیض احمد فیضؔ کی " مجھ سے پہلی سی محبت میری محبوب نہ مانگ " کی طرح وہ غمِ جاناں سے نکل غمِ دنیا کی طرف سفر کرتے ہوئے اپنے عہد کے استحصالی نظام کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔ وہ حقیقت کی طرف سفر کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ مجید امجد جس طرح رومانویت جیسے مغربی نظام فکر کی پیروی کرتے ہوئے بھی مشرق کو ملحوظ خاطر رکھتے رہے تھے ، آگے چل کر وہ اسی مغرب کی مخالفت میں رومانویت سے حقیقت نگاری کی طرف قدم بڑھاتے ہیں تو اس کی بڑی وجہ بھی مغرب کا وہ استحصالی نظام ہی قرار پاتا ہے جس نے ان کی فکر کو نئی جہتوں سے آشنائی دلائی۔

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-13

ماخذ تحقیقی مجلہ

مجید امجد کی فکر میں حقیقت نگاری کا عنصر بیسویں صدی کی چوتھی اور پانچویں دہائی میں بڑی شدت سے سامنے آتا ہے۔ اس دور کا مطالعہ کیا جائے تو اس دور میں ایک طرف افسانے میں پریم چند اور دیگر کئی افسانہ نگار اپنے عہد کی عکاسی کرتے ہوئے افسانے کو محض کہانی قصے سے نکال کر حقیقت نگاری کا ثبوت دے رہے تھے تو دوسری مجید امجد جیسے شعرا کے ہاں بھی حقیقت نگاری کا عنصر سامنے آرہا تھا۔ مجید امجد کے ہاں یہ حقیقت نگاری انقلابی انداز میں ابھرتی ہے اور وہ مغرب کی نقالی کی وجہ سے اندھے کنویں میں گرنے والوں اور اپنی تہذیبی اور ثقافتی اقدار سے دور ہونے والوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔ وہ اس دنیا کے ان استحصالی نظاموں سے بیزار ہو چکے تھے، جن کی وجہ سے انسانیت اپنی معراج سے دور ہوتی چلی جارہی تھی۔ وہ جب یہ کہتے ہیں کہ:

یہ دنیا ہے میری کہ مرقد ہے میرا
یہاں بھی اندھیرا وہاں بھی اندھیرا (۳)

تو حقیقت میں وہ اس استحصالی نظام کے خلاف ہی آواز بلند کرتے ہیں۔ اس استحصالی نظام نے معاشرے کے نچلے طبقے کے ساتھ ساتھ کسان، مزدور اور دیگر محنت کش طبقے کے حقوق جس طرح پامال کیے ، اور خصوصی طور پر مغرب میں نمو پانے اور مشرق کو اپنے عفریت میں جکڑنے والا وہ صنعتی نظام جس نے انسان کی بجائے مشین کو زیادہ اہمیت دی اور انسان کی محنت کو بھی پامال کرتا چلا گیا اور وہ جاگیر ادارنہ نظام جس نے غریب کسان سے اس کی عزت اور اس کے حصے کا اناج بھی ہتھیا لیا، مجید امجد اس نظام کے نوحے بھی لکھتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی نظم "کہانی ایک ملک کی" جو ۱۹۵۷ء میں اس وقت لکھی گئی جب تقسیم کے بعد برصغیر کی دو مملکتوں کو وجود میں آئے دس سال کا عرصہ گزر چکا تھا، لیکن استحصالی نظام پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا چلا جارہا تھا۔ مجید امجد اس نظام سے متاثر ہونے والے مزدوروں، کسانوں اور مفلوک الحال لوگوں سے ہمدردی اور ان پر حکومت کرنے والے اور ان کے مقدر کا فیصلہ کرنے والے طبقہ اشرافیہ کے خلاف اپنی نفرت کا اظہار یوں کرتے ہیں:

راج محل کے اندر اک رتناسن پر
کوڑھی جسم اور نوری جامے،
روگی ذہن اور گردوں پیچ عمامے

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-13
ماخذ تحقیقی مجلہ

جہل بھرے علامے

ماجھے گامے

بیٹھے ہیں اپنی مٹھی میں تھامے

ہم مظلوموں کی تقدیروں کے ہنگامے (۴)

یہاں وہ ان ریاکاروں اور دوغلے ذہن کے مالک طبقہ اشرافیہ کی عکاسی کرتے ہیں جن کے اندر وہ استعماری خباثت بھری ہوئی ہے ، لیکن وہ بظاہر اس قوم کے خیر خواہ نظر آنے کے جتن کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مجید امجد نے "کوڑھی جسم" اور "نوری جامے" کی تراکیب کے ذریعے ظاہر اور باطن کے تضاد کو بڑے مؤثر انداز میں سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ اسی نظم کے آخر میں وہ ان مزدوروں اور کسانوں کے بارے میں بھی اپنے خیالات وافکار سامنے لاتے ہیں جو ان "کوڑھی جسم" اور "نوری جامے" والوں کے ستم کا نشانہ بنتے ہیں۔ مجید امجد ان کسانوں اور مزدوروں کے بارے میں لکھتے ہیں:

راج محل کے باہر، سوچ میں ڈوبے شہر اور گاؤں

ہل کی انی، فولاد کے پنجے

گھومتے پہیے، کڑیل بانہیں،

کتنے لوگ کہ جن کی روحوں کو سندیسے بھیجیں

سکھ کی سیجیں،

لیکن جو ہر راحت کو ٹھکرائیں

آگ پیئیں اور پھول کھلائیں (۵)

مجید امجد کی یہ نظم ایک طرف استعماری طاقتوں کی سوچ رکھنے والے مقامی عناصر کے خلاف آوازِ احتجاج بلند کرتی ہے تو دوسری طرف اس عہد کا جائزہ لیا جائے تو جس وقت یہ نظم لکھی گئی، اس سے ایک سال قبل ملک مارشل لاء کی زد میں آچکا تھا۔ مارشل لاء میں بھی وہ جبر اور طاغوتی قوتیں برسرپیکار تھیں جو استعماری سوچ کی حامل تھیں۔ مجید امجد کی یہ نظم اس تناظر میں معنوی وسعت کی حامل دکھائی دیتی ہے کہ انھوں نے اس میں سماجی حقیقت نگاری کا عمدہ ثبوت دیتے ہوئے اپنے عہد کے استعماری اذہان کے خلاف احتجاج کی صدا بلند کی۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-13

مجید امجد کے ہاں مغرب کے زیر پروان چڑھنے والا سماجی حقیقت نگاری کا رویہ اس قدر مضبوط ہے کہ وہ مغرب ہی کے استحصالی نظام اور اس کے زیر اثر رواج پانے والے مشرقی استعماری کلچر کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔ وہ اگرچہ کسی تحریک سے وابستہ نہیں تھے لیکن اپنے عہد کے مظلوم طبقے اور خاص طور پر مظلوم اور غریب کسانوں کے حق میں ان کی آواز خاصی توانا انداز میں سامنے آتی ہے۔ جاگیردارانہ نظام می جس طرح کسان کا استحصال کیا جاتا ہے، مجید امجد اس کے نوحے لکھتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو سامنے لاتے ہیں کہ جس طرح مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام میں انسان کو مشین سمجھ لیا گیا ہے اور اس کے افکار کی بجائے اسے مشین کے تابع کر دیا گیا ہے، اسی مشرق کے جاگیردارانہ نظام میں کسان کو بھی دوسرے جانوروں کی ایک جانور کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ وہ جب یہ کہتے ہیں کہ:

تپتی دھوپ میں تین بیل ہیں، تین بیل ہیں، دیکھ [۶]

تو دراصل وہ دو بیلوں کے ساتھ چلتے ہوئے کسان کو بھی بیل سمجھنے والے جاگیردارانہ نظام کے خلاف اٹھتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ جاگیردارنہ نظام دراصل صدیوں سے اس خطے کا مقدر بنا آرہا ہے۔ اس نظام کے خلاف مجید امجد کے افکار کا جائزہ لیا جائے تو وہ ان ترقی پسند نظریات سے مماثل دکھائی دیتے ہیں جو مغرب کی دین ہیں اور ادب کا رشتہ سماج اور انسان سے جوڑنے کے قائل ہیں۔ مجید امجد نے دو بیلوں کی بجائے کسان کو بھی ان میں شامل کرکے جن "تین بیلوں" کا ذکر کیا ہے وہ دراصل اسی جاگیرادارنہ تہذیب کی دین ہے جو صدیوں سے اس خطے پر مسلط ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں

> "جسمانی عمل کے اعتبار سے امجد نے ہالی کو بیل کی شکل میں دیکھا ہے۔ اس کے نزدیک یہ تہذیبی تاریخ ہزار برس سے انسانوں کو بیلوں میں متشکل ہوتا دیکھ رہی ہے۔ شکلوں کے بدلنے میں ایک تسلسل ہے جو ختم ہونے میں نہیں آرہا۔ ہڑپہ کی تہذیب دو بیلوں کی تہذیب یہ تین بیلوں کی تہذیب ہے۔ ہڑپہ کی تہذیب مر گئی، دفن ہو گئی، مگر تین بیلوں کی یہ مسلسل تہذیب زندہ ہے اور امجد اسی تہذیبی تسلسل کے چہرے سے دکھوں کی ریکھاؤں کے مٹنے کا منتظر ہے۔" [۷]

مغرب کے استحصالی نظام اور اس نظام سے متاثر ہونے والے مشرقی انسان خاص طور پر کسان کا تذکرہ مجید امجد کی کئی نظموں میں ملتا ہے۔ ان میں زیادہ تر نظمیں وہ ہیں جو نو آبادیاتی سامراجیت کے عہد میں

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-13

تخلیق کی گئی تھیں۔ ان نظموں میں مجید امجد اُس وقت کے حالات سے متاثر ہو کر اپنے تاثرات اور افکار یوں بیان کرتے ہیں کہ سامراجی استحصال کی قلعی کھولتے چلے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں مجید امجد کی نظم "کنواں" کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ "کنواں" ان کی ایسی نظم ہے جو استعماریت کے عہد میں استعماری پالیسیوں کی وجہ سے سماج میں پروان چڑھنے والے رویوں کے اثرات سے آگاہی دلاتی ہے۔ یہ نظم ۱۲ فروری ۱۹۴۱ء کو لکھی گئی تھی (۸)۔ اس نظم کے تخلیق کے عہد کا مطالعہ کیا جائے تو اس عہد میں برصغیر کے فرد سے لے کر عالمی سطح پر ہر جگہ ایک تغیر رونما ہو رہا تھا۔ پہلی جنگ عظیم کی وجہ سے ہونے والی تہذیبی اور سماجی اقدار کی شکست وریخت نے برصغیر کو بالخصوص اور دنیا کو بالعموم ایک تبدیلی کے عمل سے گزارا۔ اس کے بعد دوسری جنگِ عظیم میں جو تباہی ہوئی، اس نے نہ صرف انفراسٹرکچر کو تباہ کیا بلکہ عالمی سطح پر فرد کو بھی عدم تحفظ اور تنہائی کا شکار کر دیا۔ یہ تنہائی فرد کا داخلی کرب بن کر رہ گئی۔ ایسی صورت حال میں مجید امجد کا تخیّل جس سماجی کرب کا اظہار کرتا ہے، نظم "کنواں" اس کی بہترین ترجمانی کرتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

کنواں چل رہا ہے! مگر کھیت سوکھے پڑے ہیں نہ فصلیں، نہ خرمن، نہ دانہ،
نہ شاخوں کی باہیں، نہ پھولوں کے مکھڑے، نہ کلیوں کے ماتھے، نہ رت کی جوانی
گزرتا ہے کیاروں کے پیاسے کناروں کو یوں چیرتا، تیز خوں رنگ پانی
کہ جس طرح زخموں کی دکھتی، تپکتی، تہوں میں کسی نیشتر کی روانی

ادھر دھیری دھیری
کنوئیں کی نفیری
ہے چھیڑے چلی جا رہی اک ترانہ
پُراسرار گانا (۹)

کنویں کے چلنے کے باوجود کھیت کو سوکھے رہنا، نہ صرف سوکھے رہنا بلکہ فصلوں، خرمن، دانہ کی عدم دستیابی دراصل اس استعماری کلچر کا نتیجہ ظاہر کر رہی ہے، جس میں برصغیر اور عالمی سطح پر انسانیت دوستی کے نام پر ایسی تباہی عمل میں لائی گئی جس نے انسان کو بے بس کر کے رکھ دیا۔ ایسی صورت حال میں پالیسیوں کے سماجی اثرات بھی انسان کے اس عدم تحفظ کو دور نہ کر سکے۔ اس دور کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو مجید امجد کی نظم، استعماری کلچر اور اس کے اثرات کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ وہ دور مجموعی طور پر انتشار کا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-13
ماخذ تحقیقی مجلہ

دور تھا۔ خاص طور پر برصغیر پر انگریزی کلچر کے ساتھ ساتھ مقامی سیاسی اور نظریاتی جماعتوں اور دیگر عناصر نے اس دور کے سماجی اور تہذیبی منظرنامے کو جس طرح متاثر کیا تھا، اس کے بارے میں ڈاکٹر سید عامر سہیل لکھتے ہیں:

> "برصغیر پاک وہند میں مختلف سیاسی اور نظریاتی جماعتوں کی باہمی کش مکش اور طوفانی سیاست نے ہزاروں سال پر مشتمل ایک مشترکہ تہذیب کا شیرازہ بکھیر دیا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ انگریزوں کی سامراجی چالوں اور نوآبادیاتی نظام کے مزاج نے برصغیر کے مخصوص محکومانہ ذہن کے حامل لوگوں کے درمیان نامختتم دوری پیدا کر دی تھی۔ انگریزی تہذیب کی طاقت نے برصغیر کے لوگوں میں جس احساسِ کمتری کو جنم دیا تھا وہ قوم پستی، فرقہ واریت اور بنیاد پرستی کی شکل میں سامنے آرہا تھا۔ اس کے علاوہ سائنسی اور صنعتی ترقی نے ایک ایسا کلچر پیدا کیا تھا، جس نے پرانی اقدار اور رویوں کے خلاف اپنا بھرپور اظہار کیا تھا۔"(۱۰)

اس ساری صورتحال نے مجید امجد کی فکر کو متاثر کیا۔ نظم "کنواں" دراصل انہی اثرات کا نتیجہ ہے۔ یہ وہ دور تھا جس میں فرد اپنی داخلی کائنات کے ساتھ ساتھ سماجی سطح پر انسانی رویوں، اور تہذیبی وثقافتی سطح پر اقدار کی تباہ حالی کا شکار ہو کر دیوالیہ ہو چکا تھا۔ اس دور میں برصغیر کا انسان جس تباہ حالی کا شکار تھا، اور اس خطے پر مسلط سامراجی اور استعماری طاقتیں جس طرح یہاں کے فرد کی داخلی اور خارجی زندگی کو متاثر کر رہی تھیں، اس سارے منظرنامے میں کنوائیں کا چلنا تو زندگی کی علامت بن کر ابھرتا ہے، جو اس وقت بھی رواں تھی لیکن اس کنوئیں کے چلنے کے باوجود "کھیت پھر سوکھے" رہتے ہیں تو یہ دراصل اس کھوکھلے پن اور سعی لاحاصل کی عکاسی ہے جو اس عہد میں عام ہو رہی تھی۔ آگے چل کر مجید امجد اس عہد کے حالات پر چھائی ہوئی افسردگی اور مایوسی کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ "نہ پھولوں کے مکھڑے، نہ کلیوں کے ماتھے، نہ رُت کی جوانی" میں دراصل اس عہد کا پورا سماجی اور تہذیبی منظرنامہ پنہاں ہیں جس عہد نے مجید امجد کی فکر کو متاثر کیا۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-13

ماخذ تحقیقی مجلّہ

حوالہ جات

۱۔ عامر سہیل، ڈاکٹر، جدید اردو شعری تناظر میں مجید امجد کی شاعری کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، نگران ڈاکٹر انوار احمد، مملوکہ، ملتان، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء، ۱۷۵

۲۔ مجید امجد، کلیات مجید امجد، ص ۲۲۲

۳۔ ایضاً، ص ۵٦

۴۔ ایضاً، ص ۳۰٦

۵۔ ایضاً

٦۔ مجید امجد، ہڑپے کا کسان، مشمولہ، کلیات مجید امجد، ص ۳۳۸

۷۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، "مجید امجد" آشوب زیست اور مقامی وجود کا تجزیہ، مشمولہ دستاویز، مجید امجد نمبر، راولپنڈی، قاضی پرنٹرز، گوالمنڈی، ۱۹۹۱ء ص ۲۵۹

۸۔ خواجہ زکریا، ڈاکٹر، خاکہ (مجید امجد)، مشمولہ، دستاویز، مجید امجد نمبر، ۱۹۹۱ء، ص ۴۵

۹۔ مجید امجد، کنواں، مشمولہ، کلیات مجید، ص ۵۹

۱۰۔ سید عامر سہیل، ڈاکٹر، کنواں (مضمون)، مشمولہ، مجید امجد کی نظمیں: تجزیاتی مطالعات، ص ۱۳